حالات
وفات مصلح الامتؒ
مکتبہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

(ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے)

# حالاتِ
# وفاتِ مصلحُ الامۃؒ

مرتبہ

عبدالرحمان جامی یکے از خدام خانقاہ وصی اللّٰہی

بانتظام

دفتر وصیۃ العرفان - ۲۳ بخشی بازار الہ آباد ۳

اسرار کریمی پریس جانسین گنج الہ آباد میں طبع ہوئی

اکتوبر ۱۹۸۰ء

قیمت ۲ دو روپے

# نقل مکتوبِ گرامی جنابِ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جامی مدظلہٗ

صدیق حزین اسکن اللہ نار حزنکم بنور نسیمہ و محبتہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

تمنا اگرچہ محال کی بھی جائز ہے تاہم اپنے بارے میں حج کی تمنا کیا تصور میں بھی کبھی اس کا خیال نہیں کر سکا تھا۔ مگر بقول قائل ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ترجمہ) ایک چیونٹی کو یہ خواہش ہوئی کہ کعبہ شریف میں پہونچ جائے تو اس نے کبوتر کا پاؤں پکڑ لیا اور بیت اللہ میں پہنچ گئی

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت والا کے کرم سے وہ دن آیا کہ آپ لوگوں کو ساحل پر غرقِ حسرت کئے ہوئے ہم لوگ روانہ ہوئے اور حاجیوں کے جہاز نے لنگر اٹھا دیا۔ عجب منظر تھا۔ حضرت والا کرسی پر باہر جلوہ افروز تھے اور سب لوگ ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت بھی مغموم تو تھے مگر محبین کے مجمع اور ان کی محبت کے مظاہرے سے مسرور بھی تھے۔ میں بھی محوِ حیرت بنا کرسی کے پاس کھڑا تھا کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ غم و سرور کا ایسا سخت مقابلہ تھا کہ دونوں ہی قسم کے آنسو خشک تھے۔

بہرحال ایک گوشہ میں آپ بھی نظر پڑے۔ ساکت و صامت آپ کی بھی ہیئت کذائی بزبانِ حال کہہ رہی تھی کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے ؎

ھوای مع الرکب الیمانین مصعد جنیبٌ و جثمانی بمکۃ موثقٌ

میرا محبوب تو یمن کے قافلہ کے ساتھ دور چلا جا رہا ہے اور میرا جسم مکہ میں بیڑیوں سے بندھا ہوا ہے۔

عجبت لسراها وانی تخلصت — الیّ وباب السجن دونی مغلق

مجھکو اس بات سے تعجب ہے کہ آخر وہ میرے پاس یعنی میرے خیال میں کیسے پہونچا جبکہ قید خانہ کا دروازہ مجھ پر بند رکھا گیا ہے۔

المّت فحیّت ثم قامت فودّعت — فلما تولت کادت النفس تزهق

میرا محبوب میرے پاس آیا اور تھوڑی دیر ٹھہرا پھر کھڑا ہوا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا پس جب چلا گیا تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ ابھی نکل جائیگا

جہاز چھوٹا یا حضرت چھوٹے۔ جہاز گھوما تو کمرہ کی کھڑکی سے پھر ساحل کا مجمع نظر آیا۔ اب لوگ جس طرح سے دیکھتے تھے حضرت بھی دیکھتے رہے۔ فرماتے تھے: اب کیا نظر آتا ہوگا۔ اور یہاں سے بھی بمشکل ہی نظر آ رہی ہے۔ تشخصات تو غائب ہو گئے۔ اور ذرا آگے بڑھے تو بس اس کا مصداق تھا کہ ؎

مڑ کر جو میں نے دیکھا امید مرچکی تھی
پٹری چمک رہی تھی گاڑی گذر چکی تھی

تھوڑی دیر میں ساحل پانی کی اوٹ میں تھا۔ اور ایک ساحل کیا سارے آسمان کا یہی حال تھا۔

بھائی سلیمان صاحب امیر الحج مقرر ہوئے۔ کسی نے عصر کی اذان دی۔ چار چھ جگہ جماعتیں ہوئیں۔ ہم لوگوں نے ڈی کلاس کے ہال میں حضرت والا کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہم لوگوں کی سیٹوں سے حضرت کے جائے قیام کا فاصلہ بس یہ سمجھئے کہ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اپنے مکان پہلی کوٹھی سے حضرت کے پاس جلد آجائیں اور ہم لوگ اپنی سیٹ سے حضرت تک شاید دیر ہی میں پہونچیں۔

امیر الحج صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ مائک پر اذان ایک ہوگی جماعتیں لوگ الگ الگ کرینگے۔ اس کے لئے موذن کے تعین کا مجھے اختیار ہے، اجازت ہو تو جامی صاحب سے کہہ دوں وہی اذان دیا کریں۔ اب سمجھ میں آیا کہ ٹرک اور موٹر کے شور میں اتنے دنوں اذان کی مشق اس لئے کرائی گئی تھی کہ سمندر کی ساکن اور خاموش فضا میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ مخلوق اللہ کا نام چلتے چلاتے اس قافلہ سے سن لے، خدا معلوم اس سے قبل کب یہاں کس نے اذان دی ہوگی۔

مغرب پڑھی۔ عشاء پڑھی۔ دوا۔ تیل سب معمول پر آ گئے۔ صبح حاضر ہوا یعنی پنجشنبہ کی صبح کو (۲۳ نومبر سنہ) فرمایا نیند خوب آئی۔ طبیعت اچھی ہے۔ سفر حج کا تھا۔ ذکر تلاوت

نماز و دعا مشغلہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ دیکھا کہ اللہ کے بندے رات بھر پڑھتے رہے۔ عورتیں بھی ہاتھ میں تسبیح لئے نظر آئیں۔ نماز کے وقت پر وضو کی بہار بھی خوب رہتی۔

سمندر جو ملا تو اوپر ہی جہاں حضرت کرسی پر بیٹھے تھے، کرسی رکھ کر ہاتھ میں تسبیح لیکر اکثر بیٹھا رہتا، کبھی وہیں تلاوت کرتا۔ حضرت نے لوگوں کو بلایا نہیں۔ دوا کے لئے جاتا تھا ذرا دیر بیٹھ کر چلا آتا تھا۔ کبھی کبھی حاجی جی سے فرماتے، کہاں جا رہے ہو حاجی جی؟ انھوں نے کہا کمرے میں جا رہا ہوں۔ فرمایا نہیں یہ نہیں کہو، ہاں یوں؛ کہاں جا رہے ہو سمجھے؛ کہا جی ہاں سمجھا۔

ہاں پنجشنبہ کو دوپہر کو مجھے بلوایا اور دو بات فرمائی۔ اول، فرمایا کہ تم نے بمبئی میں کیا دیکھا اور یہاں کیا دیکھ رہے ہو ان سب باتوں کو لکھو شاید کسی اللہ کے بندے کو کچھ نفع ہو تم کو اسی لئے ساتھ لایا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کے سامنے کتاب سے حج کے مسائل بیان کرو، کچھ وقت اس میں گذر جائے۔ لوگوں کو علم ہو جائیگا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ کل سے اسی وقت بیان کرونگا۔

چند اوقات نماز ہونے کے بعد لوگوں کو حضرت کا۔ اور جماعت ہونے کا پھر قاری صاحب کی قرأت کا جوں جوں علم ہوتا گیا۔ یہاں کی جماعت کا مجمع بہت بڑا ہو گیا۔

عشاء میں ایک صاحب نے پوچھا کل جمعہ کی نماز کے بجے ہوگی۔ کہدیا گیا کہ ہم لوگ سفر میں ہیں مسافر پر جمعہ نہیں ہوتا۔ ظہر ہی کی نماز ہوگی۔

آج بھی حضرت بالکل اچھے رہے۔ شب جمعہ بھی اچھی گذری۔ جمعہ کو ظہر سے ذرا پہلے مجھے بلوایا فرمایا کہ احرام وغیرہ کا مسئلہ ذرا ٹھیک سے بیان کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت معلم الحجاج سے سنانے کا خیال ہے اول تو اس میں جدہ سے احرام کا مسئلہ ہے ہی نہیں دوسرے ابتدا میں آداب وغیرہ کا ذکر ہے۔

اور میں نے یہ سوچا ہے کہ یوں کہدوں گا کہ مولانا شیر محمد صاحبؒ کی یہ تحقیق ہے۔ اور حضرت کو اس پر اطمینان ہے۔ باقی جسکو تردد ہو وہ شبہہ میں نہ پڑے یلملم ہی سے باندھے کیونکہ احرام کی تقدیم تو بہر حال جائز ہے اور جو آسانی چاہتا ہے اور ہم پر اعتماد کرتا ہے تو مسئلہ یہی صحیح ہے۔ چنانچہ ہم بھی احرام جدہ ہی سے باندھیں گے۔ فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے۔

بس اس کے علاوہ مجھے نہیں بلایا۔ اور شاید کسی کو بھی نہیں بلایا۔ بس کھڑکی سے سمندر اور پانی ہی کو برابر دیکھتے رہے۔ کبھی کبھی ادھر سے کوئی آدمی گذرتا تو کھڑکی ہی سے مصافحہ کر لیتے۔

جمعہ (۲۴ نومبر) کو عصر کے بعد حسب معمول دوا کھلانے آیا۔ اس وقت ایک صاحب ممتاز حسین احمد نامی مولانا عبید الرحمن صاحب کے شاگرد۔ بعد میں تو ان سے میں بھی واقف ہو گیا، دوندیپور میں رہتے ہیں۔ سی۔ او۔ ڈی میں ملازم ہیں۔ یہ صاحب آئے یہی وہ صاحب ہیں جو جہاز پر بوقت روانگی حضرت کے بائیں جانب کھڑے تھے یا بیٹھے تھے۔ داہنی جانب مولوی نثار صاحب پیچھے احقر تھا۔ اس وقت بھی میں نے دیکھا کہ ایک اجنبی حضرت سے اتنا قریب کیوں ہے۔ ان کو اشارہ سے پیچھے بلا کر پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ کہا میں بھی الہ آباد کا ہوں۔ دوندی پور میں رہتا ہوں، میری بابت مولوی عبید الرحمن صاحب نے حضرت کو لکھا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہاں کسی کے لئے لکھا تھا کہ جوان صالح ہیں حج کو جا رہے ہیں۔ مجھے ان کے حالات پر رشک آتا ہے۔

بہر حال یہ صاحب حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ میں نے سفارشاً عرض کیا حضرت یہ بھی الہ آباد کے ہیں۔ مولوی عبید الرحمن صاحب نے آپ ہی کی بابت لکھا تھا۔ فرمایا اچھا۔ میں نے کہا کسی دن شام کو ہو جائیں گے۔ فرمایا ہاں یہ بیعت ہی ہیں۔ یہ فرما کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ تم کو سلسلہ میں داخل کر لیا۔ سبحان اللہ!

یہ جوان حضرت والا کے سب سے آخری مرید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ہم سب پر رحم فرماوے۔ اس کے بعد میں چلا آیا۔ حسب معمول مغرب کے لئے ہال میں تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد کمرہ میں آکر سنت پڑھی۔ اس کے بعد استنجے گئے۔ وہاں سے کیفیت کے ساتھ واپس آئے۔ ممتاز سے کہا۔ مجھے کیسا دیکھتے ہو۔ ایک صاحب بمبئی میں کہتے تھے غصہ نہ کیجئے۔ طویل سفر کرنا ہے۔ یہ کیسا ہے؟ اسی اثنا میں جہاز کے مطبخ کے ایک مسلمان آفیسر عبد الحمید خاں صاحب آ گئے جو دری الصوت تھے۔ کہا حضرت میں نے دنیا کا عیش بہت کر لیا۔ اب دعا کر دیجئے کہ میری آخرت درست ہو جائے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بہت اچھا۔ دعا کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں کھانا آ گیا اس نے کہا حضرت کھانا اچھا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نہایت اچھا ہوتا ہے کہا کچھ اور ضرورت ہے۔ فرمایا کہ کچھ چپاتی بھجوا دیجئےگا۔ یہ فرما کر ان سے تو فرمایا کہ اچھا اب جائیے پھر آئیگا۔ ممتاز نے کہا حضرت

کھانا آگیا ہے۔ لاؤں۔ ممتاز کہتے ہیں کہ حضرت کے چہرہ پر تغیر کے آثار دیکھ کر میں ڈر گیا اور کمرہ سے باہر جا کر ارشاد سے کہا کہ کھانا آج تم کھلادو۔ ارشاد آئے۔ حضرت خاموش ایک طرف دیکھ رہے تھے وہ اور زیادہ ڈرے واپس جا کر کہا کہ نہیں تم ہی جا کر کھلاؤ۔

پھر ممتاز اندر گئے تب اندازہ ہوا کہ حضرت پر دورے کے آثار ہیں۔ گھبرا کر قاری صاحب کو آواز دی اور ہال کمرے سے بلا کر لائے۔ قاری صاحب آئے۔ تو فرماتے ہیں کہ حضرت نے مجھے دیکھ تو لیا مگر بولے نہیں۔ اس سے میں ڈرا کہ کیا ہوا۔ بھاگے ہوئے ہم لوگوں کے درجہ میں آئے کہ چلئے حضرت کی طبیعت اچھی نہیں ہے ہم لوگ بھاگے ہوئے گئے تو بیٹھے تھے مگر آنکھیں چڑھی ہوئی اور ہوش غائب ہو چکے تھے۔ لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر (جہاز) کا بلایا گیا۔ اس نے ذرا ذرا وقفہ سے دو سوئیاں دیں۔ حضرت کو متلی اور قے ہونے لگی اور کافی قے ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے معدہ میں آہستہ آہستہ کچھ جمع ہو گیا تھا جس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ بالآخر اسی حالت میں ہم لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد تک قے کا سلسلہ وقفہ سے رہا مگر اٹھتے نہیں تھے۔ بس لیٹے ہی لیٹے بے ہوشی میں قے ہو رہی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں سانس برابر آنے لگی جس سے اندازہ ہوا کہ کچھ آرام ہو گیا ہے اور اب شاید حضرت سو گئے ہیں۔ کچھ لوگ پاس رہے ہم لوگ باہر ہی سو رہے کہ ۱۱ بجے لوگوں نے جگایا کہ حضرت کو ہچکی آرہی ہے۔

میں جس وقت پہونچا حضرت تشریف لیجا چکے تھے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) زندگی کی ملاقات بعد عصر اور زیارت نماز مغرب پڑھ کر آتے وقت ہوئی تھی۔ اب اس کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

ہم لوگ گویا سکتہ کے عالم میں ہو گئے کہ یہ کیا ہوا۔ ماشاء اللہ قاری صاحب سنبھلے ہوئے تھے۔ اوروں کو سنبھالا۔ ہم لوگ تو اپنی عقل اور اپنا ہوش کھو چکے تھے بہرحال مل کر سوچا کہ کیا کیا جائے۔ رائے ہوئی کہ سفیر عرب کو جدہ۔ امجد اللہ صاحب کو مدینہ۔ اور سیٹھ ستار صاحب کو بمبئی تار دیا جائے۔ دیا گیا۔ کہ کیا کیا جائے؟ قدوائی صاحب کا جواب آیا کہ جدہ تک لاسکئے تو لائیے ہم حکومت میں کوشش کر رہے ہیں۔ ادہر جہاز کے افسران مہربان ہو گئے۔ سب انتظام کا وعدہ کیا۔ اس لئے جسد والا کو محفوظ کر دیا گیا۔

حاصل یہ کہ جس صبح کو جدہ اترنا تھا۔ اس رات تک پھر قدوائی صاحب د دوسرا تا زنہیں ملا کہ آیا انتظام ہوا یا نہیں۔ اور میت کے بارے میں سعودی حکومت کے قوانین سخت ہیں۔ نیز کپتان کے لئے بھی کسی ساحل پر لاش لیجانا جرم ہے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اب دو ہی صورت ہے۔ (۱) یا تو آپ لوگ آج رات کے کسی حصے میں تجہیز و تکفین کر لیں!

(۲) ہم جدہ تک چل سکتے ہیں۔ مگر اجازت نہ ہوئی تو پھر آپ سب کو اتر جانا ہوگا اور لاش ہمارے حوالے کر دیجئے گا۔ ہم سواری اتار کر پیچھے لوٹ کر سمندر میں اپنے مسلمان لازمین سے تجہیز و تکفین کرا دینگے۔ اس ثانی صورت کے تصور سے ہم لوگ کانپ گئے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگوں کو بھی واپس لانا پھر پہونچا دینا۔ اس نے کہا نہیں، پھر کہا گیا کہ اچھا ہم غسل و کفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر جدہ چلیں اگر وہاں اجازت نہ ہوئی تو پھر تم اور مسلمانوں سے دفن کرا دینا اتنا ہم مان سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں اب ہم لاش نکال کر پھر نہیں رکھیں گے۔

یہ وقت ہم لوگوں کے لئے بڑا صبر آزما گذرا۔ مگر میں نے کہا کہ کی بجائے ثانی صورت تو گوارا نہیں۔ اب لیکر اس نے صرف ایک گھنٹہ کا موقع دیا ہے تو بسم اللہ کیجئے۔ حج کے سفر میں بہت سے اللہ والوں کی قبر سمندر میں بنی ہے۔ چنانچہ زکی کی بھی رائے ہوئی اور قاری صاحب کی بھی ہو گئی۔ شاید عورتوں سے پوچھا انھوں نے بھی یہی کہا کہ پھر تو اپنے ہاتھ سے کرنا زیادہ مناسب ہے۔

صبح نو دس کا وقت رہا ہوگا۔ سامنے جدہ نظر آرہا تھا کہ جہاز ہی پر ایک طرف کونے پر ہم لوگوں نے حضرتؒ کو غسل دیا اور اس سے ذرا نیچے جہاں سیڑھی لگتی ہے ذرا سا میدان سا ہوتا ہے وہاں نماز جنازہ ادا ہوئی۔ جگہ کی کمی تھی ورنہ آدمی بہت تھے۔ اس کے بعد ایک دروازہ سے اس طبقہ کے نیچے طبقے میں جنازہ لے گئے۔ ہم لوگ کنارہ پر جھک کر دیکھ رہے تھے۔ مجمع کی کثرت سے مجھے جگہ ایسی ملی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال ایک بکس میں رکھ کر کسی وزنی چیز کے ساتھ سمندر میں اتار دیا۔

چنانچہ یہ بحر علوم کتاب و سنت بحر عرب میں جا ملا۔ اور آفتاب تصوف بحر عرب میں ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہو گیا۔ اور یہ عالمؒ ہمارے لئے تاریک ہو گیا۔ (انا للہ)

قاری صاحب نے فرمایا کہ بس حضرت ہم لوگوں کو پہونچانے ہی تشریف لائے تھے بیچوں بیچ تک تو جسم و روح دونوں سے پہونچایا اور بندہ تک صرف جسم سے پہونچا کر چل دیئے۔

میں نے عرض کیا کہ جن کا حج زیارت کردن کعبہ تھا ان کو دور ہی سے اس کا راستہ بتادیا اور اپنا حج چونکہ حج رب البیت تھا اس لئے خود وہ راستہ اختیار فرمایا۔ ع

ایں رد بسوئے کعبہ برد واں بسوئے دوست

(اضافہ از مکتوب زکی اللہ صاحب)

(اس کے آدھ گھنٹہ بعد سفیر ہند قدوائی صاحب کشتی کے ذریعہ آئے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ سب کام ختم ہو چکا ہے تو انھوں نے اپنا سر پیٹ دیا جب تفصیل بتلائی گئی تو ان کی زبان سے یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔

ساحل سمندر پر مکہ کے لوگ خصوصاً علماء مکہ کافی تعداد میں موجود تھے اور حکومت نے جنت المعلیٰ میں دفن کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ مگر مشیت الٰہی کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہم لوگوں کو اطلاع نہ ہو سکی۔ اگرچہ قدوائی صاحب نے ہمارے تار کا جواب بھی دیا مگر مرضی الٰہی وہ تار ہم لوگوں کو نہیں ملا۔ بہرحال اب صبر کے سوا چارہ نہیں۔)

اتنا بڑی ہی مشکل سے لکھا اور اتنے دنوں میں لکھا طبیعت لکھنے پر آتی ہی نہیں تھی۔

بہرحال حادثہ عظیم ہو گیا۔ اور سب لوگوں کا تو ایک وقت دوسرے کام میں ایک وقت حضرتؒ کے پاس گذرتا تھا اور جس کا شب و روز کا مشغلہ ہی حضرت کا قرب رہا ہو اس کے لئے یہ بعد کیسا گذرا ہوگا۔ مگر تقدیر ایزدی میں دم مارنے کی کس کی مجال۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہم اس پر راضی ہیں اور جس طرح مقدر فرمایا اس میں ہزاروں حکمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر دے اور حضرت والاؒ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے تاکہ حضرت اقدسؒ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ بنا دے۔

اپنے لئے طالب دعا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے اپنے فضل و کرم سے یہاں پہونچایا ہے تو یہاں کی برکتیں بھی عطا فرمائیں۔ (اس وقت مسجد نبوی میں معتکف ہوں، آپ لوگوں کے لئے زار زار دعا کرتا ہوں) والسلام

دعا جو جامی غفرلہٗ

یکشنبہ، ۲۳ رمضان ۱۳۸۳ھ

# نقل مکتوب گرامی محترمی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

از مدینہ منورہ
از بندہ محمد مبین عفی عنہ
بتاریخ ۲۲ر شوال ۱۴۰۸ھ

برادرم عزیزم مولوی قمرالزماں و نوراالہدیٰ سلمہم اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت دنوں سے لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر اد هر تو سانحۂ عظیمہ کی وجہ سے دل چور چور اور پھر سفر کی ہماہمی نصف رمضان مکہ شریف میں تو یوں گذرا۔ اور الحمد للہ بہت بہتر گذرا بعد مدینہ شریف آنے کے بعد ذکیہ مرض پیچش و بخار میں مبتلا ہوئی۔ خیر وہ صحتیاب ہوئی۔ اسکے بعد معاً ہی عظیمہ خسرہ چیچک میں مع کھانسی وغیرہ کے مبتلا ہوئی۔ اور سردی سخت اپنے شباب پر نمونیہ وغیرہ ہو جانیکا پورا خطرہ اور اس کے اسباب جمع۔ طبیعت گھبرانے لگی۔ یا اللہ اب کیا کریں اور کہاں جائیں اس در کے علاوہ اب کون در ہے کہاں امان ملیگی اور اب کون ہمارا درد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے وہ بھی صحتیاب ہوئی اسکے بعد احمد عظیم اور احمد نگین اسی مرض کے شکار ہوئے۔ رمضان شریف تو یوں گذرا اسکے بعد میں خود خونی بواسیر میں مبتلا ہوا۔ اور خلاف معمول خون بھی آیا۔ اس کی ترتیب کی تو کچھ سکون ہونے لگا۔ تو معدہ کا مریض ہو گیا۔ اور پریشان کن بات تو یہ کہ نم معدہ یہ ایک قسم کی ٹیک اور چلک اور اٹھتے بیٹھتے تکلیف۔ پھر تو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس کا اپنی طبیعت پر اور اہل خانہ کی طبیعت پر جیسا کچھ اثر ہے اسکو کیا کہوں۔ بہرحال انگریزی دوائیں کھا رہا ہوں۔ ٹیک تو کم ہو گئی۔ مگر بوجھ سا رہتا ہے۔ جو دوا کہ میں ساتھ لایا ہوں وہ بالکل کام نہیں کرتی۔ فی الحال بواسیر اور تکلیف نم معدہ دونوں میں مبتلا ہوں۔ دعائے صحت آپ سب حضرات سے چاہتا ہوں۔ خیر جتنے ایام اس مقدس سرزمین پر گذر گئے یا گذر رہے ہیں اچھے گذرے اور گذر رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے ان کا کرم ہے۔

عزیزم! اس سانحۂ عظیمہ کے متعلق کیا لکھوں۔ جتنا کچھ بھی لکھوں وہ کم ہے مگر لکھا نہیں جاتا اور لکھوں تو کس دل سے لکھوں نہ تو اب وہ دل ہی رہا اور نہ وہ جذبات، نہ ولولہ ہی ہے۔ دل شکستہ۔ ہمت و حوصلہ پست۔ دل و دماغ حیران و پریشان آہ آہ! گھر سے چلے تھے تو کس شہنشاہی حالت میں چلے تھے۔ کیسا دل و دماغ لے کر چلے تھے۔ دل میں کیسے کیسے جذبات و ولولے کھیں۔ سب ناتھے اچھل رہے تھے۔ دل کی کلی کلی کھلی تھی۔ بہار ہی بہار تھی۔ یکایک ایسی بادِ خزاں چلی کہ اپنا سا را گلستاں اجڑا ہی نہیں بلکہ جل بھن گیا نہ تو اس کے نشانات ہی رہے اور نہ کوئی علامات ہی باقی رہیں۔

عزیزم! وہ بھی ایک وقت تھا اور یہ بھی ایک وقت ہے کہ اب اپنے آپ کو کس بیکسی اور کس مپرسی کی حالت میں پا رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ہی ہوں یا میں کوئی اور ہوں۔ اللہ اللہ خواب میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں یا حالت بیداری میں۔ بھائی جب گھر سے نکلے تھے تو کیا دولت لیکر نکلے تھے۔ ایک محی السنۃ۔ عالم ربانی۔ محبوب عالم کی معیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاجدار مدینہ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نکلے تھے۔ عاشق نائب رسول کی گرویدگی کا کیا عالم تھا جیسے شمع پر پروانے ٹوٹے پڑتے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی نے خوب کہا ہے جسکو حضرت ہی سے سنا تھا ؎

دشت یثرب میں تیرے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

چونکہ حضرت والا کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کاملہ حاصل تھی اسلئے حضورؐ کا پورا اثر تو حضرت پر تھا۔ عوام و خواص کی یہ ساری فدائیت اسی نسبت و تعلق کا ثمرہ تھی اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ گرے پڑتے تھے۔ اور کس آن بان سے حضرت کی سواری بورِی بندر سے چلی تھی اور کس حالت میں جہاز پر سوار ہوئے تھے ؎

محبوبِ خوباں می رود گردش ہجومِ عاشقاں
چابک سواراں یک طرف مسکیں گدایاں یک طرف

عزیزم! ہم لوگوں کو اپنی قسمت پر ناز تھا اور حضرت والا کی معیت کی وجہ سے اپنی

کامیابی اور کامرانی کا یقین تھا : تو کسی قسم کا فکر و غم ، اور نہ سمندر کے تھپیڑوں کا خوف والم۔ اور نہ ہی کسی قسم کے حوادثات زمانہ کا وہم۔ جی جی میں بار بار گنگناتا تھا بلکہ حضرت والا سے کہنے والا تھا مگر ہمت و جرأت نہ ہوئی۔ اور کہہ نہ سکا۔ وہ کیا ہے

چہ غم دیوار امت راکہ دارد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں راکہ باشد نوح کشتیباں

یہ سب کچھ تھا مگر اللہ جل شانہٗ کی مرضی ہی کچھ اور تھی جسکو ہم تم اور کوئی نہیں جانتا تھا غیرہ۔

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

برادر ! خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آہ۔ آہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد چہارشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ صرف تین ہی دن حضرت والا کا ساتھ رہا۔ بھائی ! کوئی بات نہ تھی۔ نہ تو کسی قسم کی نقاہت اور نہ کھانے پینے سونے میں کچھ فرق۔ جملہ معمولات اپنے اپنے وقت پر ادا فرماتے رہے۔ نماز پنج وقتی کچھ دور چلکر ادا فرماتے رہے۔ مثنی بھی جاری رہی۔ بہت ہی خوش و خرم۔ ہاں البتہ عورتوں سے بمبئی میں بھی اور جہاز پر بھی فرماتے تھے کہ بیٹی بہت مشکل وقت ہے بہت سخت وقت ہے اور بہت ایمان کا وقت ہے اور بہت گھبرا گھبرا کر پریشان ہو کر فرماتے تھے کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔ اور فرماتے بیٹی دیکھو جدہ میں کیا ہوتا ہے۔ اہلیہ کہتی ہیں کہ ابا فرماتے تھے کہ بیٹی خوشی خوشی تو جاتی ہو مگر دیکھو کیا ہوتا ہے ایمان کا وقت ہے خدا کی طرف متوجہ ہو۔ اور کہتی ہیں کہ یہ سب باتیں ایک خاص جذب و کیفیت کی حالت میں فرماتے تھے۔ جب یہ کیفیت جاتی رہتی تو پھر محبت کی اور دوسری قسم کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ اور پہلے تو کھانا کھانے کے بعد فوراً ہم لوگوں کو ہٹا دیتے تھے کہ جاؤ جاؤ۔ کچھ دنوں سے ادھر یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب ہم لوگ دروازے تک جاتے تو پھر بلا لیتے کہ آؤ اور بٹھا کر محبت و پیار کی باتیں کرتے۔ بمبئی میں یہ بھی فرماتے تھے کہ بیٹی دیکھو یہ سب کے سب میرے بدن پر ایسا گر رہے ہیں جیسے کسی مردہ پر اور یہ بھی فرماتے تھے کہ بیٹی دیکھو یہ سب بیوقوف جانتے وانتے تو ہیں نہیں اور وہاں سے لکھ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ یہاں ٹھہریئے گا وہاں ٹھہریئے گا۔ یہ سب بیوقوف ہیں۔ جہاز میں بھی جمعہ کے دن اسی جذب و کیفیت میں فرمایا کہ بیٹی ایمان کا وقت ہے۔ سخت وقت ہے۔ پہلے جب میں حج کرنے حاضر ہوا تھا تو اتنا خوف نہیں

معلوم ہوتا تھا۔ اب اس مرتبہ تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے طبیعت گھبراتی ہے دعا کرو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔ یہ بھی فرمایا کہ دیکھو جدّہ میں کیا ہوتا ہے۔ اہلیہ نے کہا آپ کیا فکر کرتے ہیں ہوگا کیا؛ لوگ آرام سے لے جائیں گے۔ کھانے پینے کا عمدہ انتظام کریں گے۔ اس پر ناراض ہوکر فرمایا کہ بس تم کو تو ایک لے دے کر کھانا اور پینا ہی ہے۔ بس یہی رہ گیا ہے۔ حضرت والا تو اپنی باطنی نگاہوں سے کچھ اور ہی دیکھ رہے تھے۔ اور حضرت کے یہ تمام افعال واقوال اسکی طرف غمازی کر رہے تھے۔ مگر ہم بدفہم لوگ سمجھ نہ سکے۔ جہاز میں سوار ہوا اور ذرا دیر میں سولر ہوا تو جب کمرہ میں حضرت سے ملنے گیا تو حضرت مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور میں پاسپورٹ کا جھولا وغیرہ گردن میں لٹکائے ہوئے داخل ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر کسی اور ہی انداز میں فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے فوراً اسے گردن سے نکال کر رکھدیا اور عرض کیا کہ اس میں پاسپورٹ وغیرہ ہے۔ اسی اثناء میں چہرہ کی طرف میں نے اس خیال سے دیکھا کہ اس کی وجہ سے کچھ ناگواری تو نہیں ہے۔ تو دیکھتا کیا ہوں کہ آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں جیسے آنسو نکل آئیں گے۔ آہ۔ آہ افسوس! افسوس حضرت کی اس محبت وشفقت پہ قربان جاؤں اور ان کی جدائی پر کیسا ماتم کروں۔ اور کتنا کروں۔ خیر۔

اس وقت میں حیرت میں تھا کہ یہ بات یعنی اس حالت میں میری حاضری اسقدر متاثر کن ہوئی کیوں ہوئی۔ پھر سوچا کہ ممکن ہے کہ لوگوں اور بچوں کی جدائی اور فراق کا یہ اثر ہو رہا ہو۔ لیکن اب خیال ہو رہا ہے کہ شاید حضرت والا کو اس وقت خیال ہوا ہو دیکھو کیسے خوشی خوشی اور ذوق وشوق سے جا رہے ہیں کہ اس شوق میں ہر ناگوار چیز خوشگوار اور آسان ہے مگر آنے والے مراحل جو کہ صعب تر ہیں جہاں کہ پیر پھسلنے کا خطرہ ہے۔ ثابت قدمی دشوار اور مشکل ہے جہاں کہ صبر واستقلال کی آزمائش ہے اور ایمان و یقین کی جانچ ہے۔ اس سے بے خبر ہیں۔ اور وہ وقت قریب تر ہے اور وہ گھڑی وہ گھڑی ہوگی جبکہ نیچے پانی ہی پانی ہوگا اور اوپر آسمان ہوگا اور وہ بے بسی کا عالم ہوگا اور وہی کٹھن اور مشکل وقت ان لوگوں سے جدائی کا اور اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کا وقت مقرر ہے اسوقت یہ سب لوگ ہوں گے اور میں نہ ہوں گا۔ ان لوگوں کی میقات ابھی دور دراز ہے اور میری میقات قریب در قریب ہے۔ یہ لوگ لبیک اللھم لبیک۔ ۷یا ۸ دن کے بعد کہیں گے۔ اور میں جمعہ گذار کر شب میں کہونگا۔ ان لوگوں کی لبیک زبانی ہوگی اور میری لبیک حقیقی اور معنوی

ہو گی۔ ان لوگوں کا احرام بیت الرب کی زیارت کیلئے ہوگا اور میرا احرام رب البیت کی زیارت کے لئے ہوگا۔ میرا کچھ اور ڈھنگ کا احرام بندھے گا۔ نیز اور ہی قسم کا میرا جانا ہوگا۔ اسوقت یہ لوگ کیا کریں گے اور کیسے اور کس طرح اپنے کو سنبھالیں گے۔ الاماں والحفیظ۔ جو بچیاں کہ زندگی میں کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہوئی تھیں۔ ان کی نظروں سے اوجھل ہونگا اور ایسی پُرخطر جگہ اوجھل ہوں گا۔ عنقریب ہی ان سے جدا ہونگا۔ ان کی اس مختصر سی زندگی میں کتنے اور کیسے کیسے غموم کے ہجوم ان پر ہوئے۔ مگر میری وجہ سے سب غلط ہوتے گئے۔ ماں کا غم اور پیاری بہنوں کا غم میں نے غلط کیا۔ ان کی گود سے ان کے کتنے اور کیسے کیسے لخت جگر دور ہوئے۔ ان کا تمام غم میری وجہ سے غلط ہوتا گیا مگر میری جدائی کا جو بھیانک منظر ان لوگوں کے سامنے آنے والا ہے ان لوگوں کے اس غم کو کون غلط کریگا۔ کیسے برداشت کریں گی اور کیا کریں گی۔

عزیزم! بھائی حضرت والا کی ذات والاصفات کیا تھی، ہم کیا سمجھیں پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ وہ ذات لطف عمیم اور جود وکرم کی ایک مجسمہ تھی۔ ارے بھائی وہ ذات عنایات اور بخششوں کی ایک بحر عمیق تھی جو بہتی تھی اور جاری وساری تھی۔ وہ ذات فیضان الٰہی کی نسیم صبح تھی۔ وہ ذات مہر ووفا کی شمس وقمر تھی۔ برادر! وہ ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی ایک زندہ مثال تھی۔ اور وہ ذات قال اللہ تعالیٰ ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ہی احسن کی چلتی پھرتی ایک تصویر تھی۔ وہ ذات حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کے صفات و کمالات کی عکس تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اصلاح وتربیت کے معاملہ میں شیر دل تھے اور جہاں معاملہ ہمدردی اور اخوت کا ہوتا وہاں متواضع اور بچھ جانے والے۔ لوگوں کے غموں میں شریک ہونے والے اور اصلاح وتربیت واخوت اور مساویانہ برتاؤ کو ایک دسترخوان پر چن رکھا تھا۔ بھائی دیکھو ہم لوگوں کی کیسی کیسی نازبرداریاں بھی فرمائیں۔ اور کس کس طرح اصلاح وتربیت بھی فرمائی وہی یہ کرنا جانتے تھے اور کوئی کر نہیں سکتا۔ ان کی عنایتیں اور ان کے احسانات کیسے بھلائے جا سکتے ہیں۔ بھلا ان کی یہ سب ادائیں کیسے دل سے مٹ سکتی ہیں۔ یہ کہتا ہوں اور روتا ہوں ؎

اب کوئی بات بھی مری انا کی ہوش کی نہیں
آپ کو بھول جاؤں میں ایسی تو بے خودی نہیں

بھائی! یہ جو اتنا طویل طویل خط اناپ شناپ لکھ رہا ہوں انھیں کی محبت میں لکھ رہا ہوں، گویا ان کے پاس ہوں اور یہ راگ اور درد بھری کہانی انھیں کو سُنا رہا ہوں اور مختصر سنا رہا ہوں۔ بہر حال جو ذات کی ایسی رحمدل اور نرم دل تھی جس کا دل کسی کی مصیبت اور غم و الم و دکھ اور بیماری برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا تو پھر ایسے مشفق اور شفیق اور صدیوں باپ کے دل میں اپنی دو لخت جگروں کے متعلق اگر ایسا خیال آیا تو پھر اس خیال کا آنا کوئی معمولی بات نہ تھی مگر قربان جائیے حضرت بھی صبر و استقلال کے ایک پہاڑ تھے۔ امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو حد سے باہر آنے نہیں دیا۔ پلکوں نے انھیں ایسا چھپایا جیسے صدف موتیوں کو۔ اور حضرت کے ایمان و یقین نے چہرہ پر پھر اسکے بعد افسردگی کو بھی گوارا نہیں کیا۔

بھائی! دو روز نہیں بلکہ تینوں دن بڑے مزے سے گذرے۔ کوئی بات نہ تھی۔ ہاں اتنی بات تھی کہ حضرت نے کچھ خاموشی سی اختیار فرمائی تھی۔ جہاز کے لوگوں نے تقریر کی بھی فرمائش کی مگر کچھ جواب دیکر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک روز غالبًا جمعرات کو مولوی جامی صاحب اور ڈاکٹر صاحب اور اس خادم کو بلا کر فرمایا۔ بھائی! سفرنامہ لکھتے ہو تو ایسا لکھو جس سے لوگوں کو فائدہ پہونچے اچھی طرح لکھو۔ پھر اسی سفرنامہ ہی کے سلسلہ میں ایک خاص آدمی کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا اور حضرت نے ان کی جس بات پر گرفت فرمائی تھی۔ اور حضرت نے نفس کے جس چور اور اس کی چال کو پکڑ کر ان کو تنبیہ فرمائی تھی اس کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد کچھ اور باتیں بیان فرمائیں۔ یہ بھی فرمایا اسی سلسلۂ گفتگو میں کہ بھائی میں وہاں تقریر وغیرہ نہیں کروں گا۔ میں وہاں ٹرا بنکر تھوڑے ہی جا رہا ہوں ہاں البتہ جب اللہ کی طرف سے حکم ہوگا تو پھر کہونگا۔ کچھ اسی قسم کی اور باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب جاؤ۔ کام کرو۔ اور جس دن سے جہاز پر سوار ہوئے اسی دن سے تنہائی میں زیادہ رہتے اور ہاتھ میں تسبیح لئے پڑھا کرتے تھے۔ اور بیٹھے بیٹھے کھڑکی سے بس سمندر ہی کی طرف مستقل نظر رہتی تھی معلوم نہیں کیا دیکھتے تھے۔ اس میں کیا کشش تھی۔ نہ تو اس میں کسی قسم کے مناظر ہی تھے اور نہ مچھلیوں کا کودنا اچھلنا ہی تھا اور نہ چڑیاں ہی اڑتی بیٹھتی نظر آتی تھیں اور نہ جہازوں ہی کی آمد و رفت تھی۔ صرف پانی ہی پانی تھا اور اس کی لہریں اور موجیں کسی مرد مومن کی آمد کی منتظر اور ہنس کھیل رہی تھیں۔ موجیں مارتی رہتی تھیں اسلئے سمندر اور اس کی لہروں سے مناسبت

تھی اور مزا آتا تھا۔ یا غالباً اس مرد کامل اور مرد دانا کی دور بیں نگاہیں دنیاوی تو تو میں میں اور شور و شر سے گھبرا کر اور لوگوں کی غیر شرعی روشوں سے اکتا کر قیامت تک کے لئے ایک مناسب اور عمدہ خوابگاہ تلاش کر رہی تھیں۔ بھائی جمعہ کا دن تھا جو کہ ہم لوگوں کے لئے قیامت صغریٰ کا دن تھا پورا دن ہنستے کھیلتے گذرا۔ بعد مغرب حضرت والا معمولات سے فارغ ہو کر استنجے تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس تشریف لا کر سامنے ہی ایک شیشہ تھا اس میں اپنا چہرہ دیکھنے لگے۔ اور ممتاز سے کہا کہ ممتاز دیکھو میری صحت کیسی ہے؟

ممتاز نے کہا حضرت ماشاء اللہ بہت عمدہ صحت ہے۔ آپ ایسے ہیں اور آپ ایسے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ ہاں جی۔ صحیح کہتے ہو۔ وہاں بمبئی میں ایک صاحب کہتے تھے کہ آپ کے چہرہ پر کچھ کلال و ملال کا اثر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد پوری قوت سے ممتاز احمد کا سر ہلایا اور اچھی طرح ہلایا۔ اسی اثناء میں جہانہ کے ایک آدمی عبدالحمید صاحب کشمیری ملنے آ گئے۔ ان سے ملاقات کی۔ مصافحہ کیا ان کو دعائیں دیں۔ جب تک کھانا بھی آ گیا۔ عبدالحمید صاحب جب ملکر کمرے سے باہر نکل آئے تو ممتاز احمد نے کہا حضرت کھانا رکھوں۔ حضرت والا نے فرمایا ہاں رکھو۔ یہ کہتے کہتے کچھ حالت بدل گئی اور عجیب و غریب ہو گئی۔ ان کا کہنا ہے کہ چہرہ سرخ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چڑھ گئیں۔ ممتاز جس انداز سے گردن اور سینہ تان کر بتاتے ہیں۔ وہ کیفیت نقوش میں بھلا کیسے آ سکتی ہے یوں سمجھئے گویا حضرت والا معشوقانہ انداز میں تن کر بیٹھ گئے۔ ممتاز نے یہ حالت دیکھ کر سمجھا کہ حضرت والا پر کوئی کیفیت طاری ہوئی ہے۔ اور گھبرا کر کمرے سے باہر نکلا۔ دروازہ ہی پر عزیزم ارشاد احمد سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے کہا کہ بھائی آج تم کھانا کھلاؤ۔ حضرت کسی کیفیت میں ہیں مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد میاں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے۔ سمجھا کہ بہت جلال میں ہیں اسلئے ممتاز احمد سے کہا کہ بھائی تمھیں کھلاؤ خیر ممتاز اندر گئے اور حضرت والا کو پکڑ کر کہا کہ حضرت حضرت۔ حضرت والا کچھ بولے نہیں غالباً زبان بند ہو چکی تھی۔

عزیزم! کیا کہوں جتنا بھی رو دوں کم ہے اور جس قدر بھی لکھوں تھوڑا ہے۔ اس دن اتفاق سے آٹھ، نو، دن کے بعد مجھے خیال ہوا تھا کہ اتنے دنوں سے معمولات بعد مغرب کے ترک ہو رہے ہیں۔ اب اس مقدس سرزمین میں پہونچنے کے دن بھی قریب آ رہے ہیں۔ تین دن ہو گیا۔ پانچ یا

چھ روز اور باقی ہیں۔ خدا را معمولات شروع کر دوں۔ اطمینان و سکون بھی ہو گیا۔ یوں ہم سبھی لوگ کمرہ ہی کے ارد گرد رہتے سہتے تھے جن لوگوں کی مثلاً جامی صاحب وغیرہ کی سیٹیں نیچے درجہ کی تھیں وہ کھانا کے وقت چلے جاتے تھے۔ وہ سب لوگ اس دن بھی کھانا کھانے چلے گئے اور میں پانچ چھ کمرہ کے بعد ایک ہال تھا وہاں پڑھنے لگا۔ برادر! اللہ اللہ کی دو تین تسبیحیں پڑھنے کے بعد طبیعت گھبرانے لگی۔ اور بار بار تقاضا ہوتا تھا کہ چلو چلو۔ مگر مجھے خیال ہوتا تھا کہ چونکہ اتنے دنوں سے پڑھ نہیں رہا ہوں اسلئے نفس کو شاق گذر رہا ہے۔ لہذا اب تو اور پڑھنا چاہیئے اسی کشمکش میں تھا کہ ممتاز احمد تیزی سے آئے اور کہا حضرت کی طبیعت معلوم نہیں کیسی ہے کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ میں فوراً ہی اٹھا اور دوڑا ہوا گیا۔ اور دل میں خیال کرتا جاتا تھا کہ ریاح وغیرہ کا کچھ غلبہ ہو گیا ہوگا۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب اندر داخل ہوا ہوں تو حضرت نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور لب پر لب ملے ہوئے تھے بالکل خاموش۔ بھائی! وہ نظر نہیں بھولتی۔ وہ نظر کیسی تھی۔ وہ نگاہ کیسی تھی۔ نہ اس کی مثال دے سکتا ہوں اور نہ اس کی تعبیر ہی تحریر میں لا سکتا ہوں۔ اور چہرہ دیکھا حضرت کا سفید چمکدار۔ پسینے پسینے۔ اور بایاں ہاتھ اوپر بے اختیار حرکت میں۔ میں نے جاتے ہی اپنے ہاتھ سے حضرت کے ہاتھ کو گٹوں سے کہنیوں تک مس کیا پسینہ سے تر پایا۔ دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ معاملہ صرف ریاحی نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ اور ہماری خرابی کا وقت آگیا ہے۔ میں فوراً کمرہ سے باہر نکلا کہ ڈاکٹر صاحب او۔ لوگوں کو بلا لاؤں اور تنہا ممتاز حضرت کو پکڑے ہوئے تھے۔ کاش کہ کوئی اپنا آدمی مل گیا ہوتا تو میں اس سے کہہ کر فوراً حضرت کے پاس چلا آتا تو شاید کچھ بولے ہوتے کچھ کہتے مگر سب لوگ نیچے جا چکے تھے۔ میں نے محمودہ کو لیا کہ بیٹی چلو نیچے جہاں لوگ رہتے ہیں اس کا راستہ دکھاؤ میں بھول جاؤں گا۔ وہ کبھی آگے ہوتی اور میں پیچھے رہتا اور کبھی وہ پیچھے رہ جاتی اور میں آگے نکل جاتا۔ خیر پہونچا۔ بیچارے جامی صاحب ڈاکٹر صاحب وغیرہ کھانا لیکر بیٹھے تھے کوئی ہاتھ دھو رہا تھا اور کوئی دھو چکا تھا۔ صرف اتنا کہہ کر کہ بھائی جلدی چلو حضرت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فوراً بھاگا ہوا آگیا عزیزم! اس واقعہ کے لکھنے اور پڑھنے میں دیر لگ رہی ہے ورنہ یوں میرا آنا جانا پانچ، چھ منٹ کے اندر اندر ہو گیا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا ہوں تو وہ کیفیت بھی بدل چکی

تھی۔ حالت سرعت سے غیر ہوتی گئی۔ خیر سب لوگ جمع ہو گئے۔ جہاز کے دو ڈاکٹر بلائے گئے ان لوگوں نے انجکشن لگایا۔ قے پر قے ہو رہی تھی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ قے کا ہو جانا اچھا ہے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور اس کے ساتھ تشویش کا بھی اظہار کرتے جاتے تھے۔ بھائی ذکی وغیرہ سے میں نے کہا کہ حضرت والا کو اب لٹا دو، ذکی بھائی وغیرہ نے یہ کہہ کر کہ حضرت لیٹ جائیے لٹا دیا مگر حضرت والا اس عالم میں تھے ہی نہیں کسی اور عالم میں تھے۔ بھائی! وہ عالم کیا تھا اسکو کیا لکھوں وہ یہ تھا کہ ایک عالم ربانی اس دار فانی سے رحلت کر رہا تھا۔ اور ہم لوگ مجبور و معذور صرف جہاز کے دو ڈاکٹروں پر اکتفا کئے ہوئے اپنی حسرت بھری آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کس کے پاس جائیں اور دل کی بھڑاس کیسے مٹائیں دوڑ کر کہاں جائیں ایک محدود جگہ میں محبوس اور خدا پر بھروسہ تھا۔ انجکشن وغیرہ سے نبض کچھ قوی ہونے لگی، اور ہاتھ و پیر کی رگیں کچھ پھڑکنے لگیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اب حالت بہتر ہے۔ خیر اطمینان کیا ہوتا مگر انسانی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ لوگوں کے بہلانے میں آ ہی جاتا ہے پھر گیارہ۔ پونے بارہ بجے شب میں ایک ہچکی لی، کلمہ پڑھا اور اللہ کے پیارے ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

بیشک جو کہی وہ سچی کہی، اللہ نے قبول فرمائی اس وقت فوراً ارشاد سے میں نے کہا کہ کمرہ سے باہر کھڑکی کی طرف عورتیں ہیں اس طرف تم فوراً چلے جاؤ، حضرت کا وصال ہو گیا۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بے خبری میں سمندر میں کود جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ہی نے عورتوں کو صبر و استقلال عطا فرمایا۔ اور سنبھالا۔ اور یہ بھی حضرت ہی کی کرامت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بیٹیاں بھی کس باپ کی ہیں اور ٹکڑے کس جگر کی ہیں۔ صبر و توکل کا سبق بھی حضرت نے ایسا پڑھایا ہے کہ ان لوگوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اور قضا و قدر پر رضا تو ان لوگوں کی خو بنا کر حضرت گئے ہیں۔ ماشاء اللہ مکرمی جناب حکیم مسعود احمد صاحب اجمیری نے اس کا اظہار اپنے تعزیت نامہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

شیروں جیسا دل اور خیر القرون جیسا ایمان رکھنے والی صاحبزادیوں کی خدمت میں بندہ محمد مسعود عرض گذار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ سب لوگوں کی حاضری کی مقبولیت دلوں کی

قوت اور دماغوں کی سلامتی کے لئے دست بدعا ہوں بلاشک وشبہ آپ نے وہ تکلیف اٹھائی ہے کہ شاید ہی پہلے اس کی کوئی نظیر ملے۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ پہاڑ پانی بن جائے اور برف کھول جائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وہ شعر مجھے یاد آتا ہے ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا　　صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

حضرت فاطمہؓ کے روحانی بچو! خدا تمہارے ساتھ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خصوصی تم پر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض! یہ متبرک سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ ہم لوگ یتیم ہو گئے۔ ہمارا ہمدرد اور ہمارا غمخوار ہم سے دیکھتے دیکھتے رخصت ہو گیا۔ بھائی آن کی آن میں اپنے شفیق ومحسن کو ہم کھو بیٹھے۔ ہم بے بال و پر ہو گئے۔ اب بلندی پر پرواز کیا کریں گے۔ دین وایمان کو سلامت رکھ لیں یہی بہت ہے۔ آہ! آہ! اپنے اس ایاز کو نوازنے والا محمود اس دار فانی سے دار بقا کو کوچ کر گیا۔ اس ناکارہ کو شرف امامت اور گوناگوں نوازشوں سے نوازنے والا ہم سے جدا ہو گیا۔ بھائی! جسقدر بھی غم و ماتم منایا جائے کم ہے۔ جس قدر بھی خون کے آنسو بہائیں تھوڑا ہے۔ بلکہ جان بھی دے دی جائے تو وہ بھی کم ہے۔ ؎

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ سب بے سود ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال

صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

حضرت والا انگلیوں پر دنوں کو شمار فرماتے تھے کہ ابھی اتنے دن اور ہیں جدہ پہونچنے کیلئے جیتا تھے۔ برادرم جلدی پہونچنے کی یہی صورت تھی جو پیش آئی۔ عزیزم! حضرت والا کے سینہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ومحبت کا لبریز کاسہ رکھا تھا جس سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مردہ قلوب زندہ ہوتے تھے، ایمان تر و تازہ ہوتا تھا۔ بھائی۔ حضرت والا پر کیسے کیسے حادثات آئے اور اور کیسے کیسے امراض مہلکہ کا حملہ ہوا مگر صحت اور رجان بری ہوتی گئی۔ قضا و قدر اسی دن کی منتظر تھی کہ جب قافلہ ملک کی طرف روانہ ہو تو ہم اسکے امیر اور اپنی داسرار کے امین کو اپنے پاس یہ کہہ کر بلالیں کہ: اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ۔

از بندہ محمد مبین غفی عنہ

مدینہ منورہ

۲ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ

برادرم مولوی قمرالزماں و نورالہدیٰ سلمہم اللہ تعالیٰ سلام مسنون

بھائی قسط اول بھیج چکا ہوں وہ خط ملا ہوگا۔ اب قسط ثانی میں میری درد بھری کہانی سنیئے ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند
از جدائیہا شکایت می کند

برادرم اب جبکہ ہم گھر واپس ہوں گے تو حضرت دادا کے ان بقیہ نواسوں کو جو کہ ہندوستان میں ہیں اگر وہ اپنے جد امجد کو پوچھیں گے تو کیا جواب دیں گے ان کی دلجوئی کیسے کرینگے۔ ان کی اشک شوئی کس طرح ہوگی۔ پھر اگر اپنی قوم نے سوال کیا کہ وہ بے بہا ذات جو کہ ہمارے لئے نعمت عظمیٰ تھی وہ کہاں ہے؟ اور ہمارا وہ سید جو کہ ہمارا ہادی اور رشد و ہدایت کا بدر منیر تھا وہ کہاں ہے؟ اور وہ ذات جو ہماری قوم میں مثل نبی کے تھی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ وہ کیا ہوئی؟ تو اس کا کیا جواب دوں گا۔ اے بھائی اس کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ فصبرٌ جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون

برادرم اتفاق سے اسی دن ہم نے عورتوں سے کہا کہ چلو دیکھو آفتاب کس طرح غروب ہوتا ہے۔ اور اس کا منظر کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ہم لوگوں نے بھی دیکھا اور عورتیں بھی دیکھ رہی تھیں مگر کیا معلوم تھا کہ آج ہی ہماری قسمت اور رشد و ہدایت کا آفتاب بھی اسی طرح دیکھتے دیکھتے غروب ہونے والا ہے۔

برادرم یہ آفتاب تو روزانہ طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہوتا ہے اور اسکے طلوع اور غروب کا سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ مگر ہمارے رشد و ہدایت کا آفتاب طلوع نہیں ہوا

ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

عزیزم! اب ہمارے اس آفتاب کا شفق احمر اس کے دو جگر پاروں (لڑکیاں) کا دل ہے اور اس کی شعائیں اس کا کلام ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے اپنی کتابوں میں علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے اس کے متعلق نقل فرمایا ہے جس کا مختصر حصہ یہ ہے کہ فنابت عنھم رسائلھم بعد موتھم فی نصح المریدین اور اس کی تابش ہم لوگوں کے دل کی آہیں ہیں۔ خیر اس کے بعد اس کی فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے واپسی ممکن نہیں اور یہ مناسب ہی ہے اور ہم سب کے دلوں میں محبت کا شدید تقاضا ہوا کہ کاش حضرت والا کا کہیں مزار ہوجاتا اور ان کی کچھ نشانی قائم ہوجاتی تو ہم لوگوں میں سے یا حضرت والا کے اور دیگر متوسلین ومتعلقین میں سے کوئی بھی تو زندگی میں کبھی بھی اس علامت کے سامنے کھڑا ہوجایا کرتا۔ اس جذبہ کے ماتحت فکر ہوئی کہ جسد مبارک کو مدینہ شریف یا مکہ شریف کسی صورت سے پہونچایا جائے۔

عزیزم! سنا ہے کہ اس پر ہمارے بعض محسنوں نے ہندوستان میں چہ می گوئیاں بھی کی ہیں افسوس کہ انھوں نے ہمارے جذبات کو نہیں دیکھا اور ان لوگوں نے اس کا خیال نہیں کیا کہ ہماری اس مہتم بالشان ذات سے کیا نسبت اور کیا تعلق ہے۔ اور افسوس کہ ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم پر غم والم کا کیسا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ افسوس کہ ان لوگوں نے ہم پر ترس نہیں کھایا کہ ان لوگوں کی متاع دین ودنیا کس طرح دیکھتے دیکھتے لٹ گئی۔ غیروں سے تو شکایت نہیں وہ غیر ہی ٹھہرے ان لوگوں سے اسکے خلاف کی توقع ہی نہیں۔ مگر اپنوں سے شکایت ہے کہ ان لوگوں نے کبھی نہیں چھوڑا اور ان کے دلوں میں رحم نہیں آیا۔

خیر اسی جذبہ کے ماتحت حاجی سلیمان میمن بمبئی والے کی۔ اسی سلسلہ میں ایک بات حضرت کی نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں جو کہ حضرت والا نے جہاز پر ان سے فرمایا تھا۔ ایک روز فرمایا کہ حاجی صاحب تمہارا تو انتظام بہت اچھا ہے۔ کھانا بہت اچھا ملتا ہے۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں۔ پھر دوسرے روز حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ بھائی آپ تو میرے امیر ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ یہ امیر حجاج منتخب کئے گئے تھے۔ اس پر حاجی سلیمان صاحب نے کہا کہ حضرت میں تو آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے والے خادموں میں سے ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا نہیں بھائی۔ سید القوم

خادمہم. اور اس کے بعد حضرت والا نے یہ حدیث بھی پڑھی اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویہم۔ ماشاء اللہ تعالیٰ حاجی صاحب نے لوگوں کی خوب خدمت کی کتنے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام کو بنا دیا لوگ ان سے بہت خوش تھے اور ان کو دعائیں دیتے تھے۔ بہر حال حاجی سلیمان صاحب اور زکی بھائی دونوں آدمی پرسر (جو کہ جہاز کا ایک افسر ہوتا ہے) اسکے پاس گئے اور حضرت والا کے سانحہ کی خبر دی اور اس سے دریافت کیا کہ کیا جائے۔ اس نے کہا کہ جہاز کے قاعدہ کے مطابق لاش کو سمندر کے حوالہ کر دینا ہوگا۔ پھر ان لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر میرے ماں باپ ہوتے یا عزیز ہوتے تو ہم لوگوں کو اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ لیکن حضرت والا کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ لاش صرف ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ سارے مسلم ممالک کی امانت ہے اور ہر جگہ ان کے ماننے والے ہیں خواہ امریکہ ہو خواہ انگلینڈ۔ ایسی صورت میں وہ لوگ ہم لوگوں سے دریافت کریں گے کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا کہ حضرت کو سمندر کے حوالہ کر دیا۔ کم از کم جدہ تک لانے کی کوشش کی ہوتی تاکہ ان کی نشانی ہو جاتی۔ اس گفتگو کا اس کے اوپر اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ میں کپتان سے ملکر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور کہا کہ کپتان راضی نہیں ہوتا ہے پھر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بمبئی اور جدہ تار کے ذریعہ اطلاع کرنی چاہیئے۔ پھر ہم لوگوں کو بھی جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ ضرور تار کے ذریعہ اطلاع دینی چاہیئے لہذا جدہ قدوائی صاحب سفیر ہند اور بمبئی میں عبدالستار صاحب کو تار دے دیا۔ پھر دوبارہ ۲ بجے زکی بھائی اور حاجی سلیمان صاحب اور ایک عبدالحکیم صاحب کپتان سے ملنے گئے اور اس سے تفصیلی گفتگو کی جو کہ اس سے قبل جہاز کے دوسرے افسروں سے ہو چکی تھی۔

کپتان نے کہا کہ میرے پاس برف کی کمی ہے اس کو معلوم کروں تو قطعی فیصلہ کروں آپ لوگ ۷ یا ۸ بجے ملئے۔ دوبارہ پھر وقت مقررہ پر میں بھی ان لوگوں کے ساتھ گیا۔ کپتان نے کہا کہ برف تو کم ہے لیکن پھر بھی ہم کوشش کرینگے کہ جہاں تک لیجا سکتے ہیں لے جائیں اور اس درمیان میں برف بنانے کی بھی کوشش کرینگے۔ آپ لوگ حضرت کی لاش تیار رکھئے تاکہ سامان سب ٹھیک ہو جانے کے بعد ان کو ایک مخصوص بکس میں رکھدیا جائے۔ آہ! آہ! حضرات کہ کیسی کھلی فضا میں رہنے والی تھی اور کیسے اور کس طرح رہتی تھی۔ اسکو آج ایک مخصوص برفیلے بکس میں رکھنے کی تیاری

کی جا رہی ہے۔

لہٰذا ہم رفقاء اور عورتیں جمع تو تھے ہی کرنا ہی کیا تھا۔ جب لیجانے کا وقت قریب آگیا تو میں نے عورتوں سے کہا کہ بھائی حضرت والا سے یہ آخری ملاقات ہے اور اس چہرہ کا آخری دیدار ہے تم سب لوگ دیکھ لو۔ چنانچہ ہماری عورتوں نے بہت ہی صبر و استقلال سے کام لیا اور سبھوں نے اپنے اپنے دل پر پتھر رکھ کر۔ السلام علیکم اے ابا، السلام علیکم اے ابا۔ السلام علیکم اے نانا، السلام علیکم اے نانا، کہہ کر رخصت کیا۔ ہماری بیوہ ماں نے کہا کہ آپ ہی پر تو ہمیں تکیہ تھا آج آپ نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔

جہاز پر کنارے آخری حصہ میں اپنے کمرہ کے سامنے ہی ایک اونچی جگہ تھی الگ تھلگ اسی پر ایک لوہے کے بکس میں ۱۰ ½ بجے برف کے ساتھ اسی کپڑے میں جو کہ پہلے ہی سے حضرت والا پہنے تھے لٹا دیا گیا۔ حضرت والا کے دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں بند تھیں اور کلمہ شہادت کی انگلی کھلی کھڑی کچھ جھکی اور اس کے دوسرے پور پر انگوٹھا ٹکا ہوا قریب قریب اس کیفیت میں تھی جو کیفیت کہ بعد تشہد کے ہوتی ہے اور اوپر سے بادامی چادر سلک کی ڈال دی گئی۔ لٹانے کے بعد میں نے سوچا کہ اب معلوم نہیں کیا ہو۔ اور کیسا وقت آوے، زندگی میں تو کبھی ہاتھ کو بھی بوسہ دینے کی جرأت و ہمت نہ ہوئی تھی۔ اب یہ آخری ملاقات ہے اس دار فانی سے چلتے چلاتے وقت تو حضرت کی پیشانی کو بوسہ دے لوں۔ لہٰذا چادر کے اوپر سے پیشانی پر بوسہ دینے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت آرام سے بادامی چادر اوڑھے ہوئے سوتے رہے اس وقت حضرت خسروؔ کا یہ شعر یاد آیا ؎

گوری سوے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
ہو گئی سنجھیا خسرو اب چل اپنے دیس

برادرم! اسی اثناء میں ایک روز میں نے اپنی بچیوں اور عورتوں سے کہا کہ دیکھو بھائی جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ یہ چیز سب کے ساتھ پیش آنے والی ہے ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

حتیٰ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رحمۃ اللعالمین تھے ان کے ساتھ بھی یہ چیز پیش آئی اس کے علاوہ ایک بات اور سنو ! یہ دنیا فانی ہے اور اسکی ہر چیز فانی ہے اور اس دار فانی میں رہنے والوں کے نہ تو دوستی کا بھروسہ ہے اور نہ ان کی محبت اور ہمدردی کا اعتبار ہے۔ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت والا کے احسانات ہم پر بہت ہیں بے شمار ہیں۔ ہم ان کے احسانات زندگی بھر بھول نہیں سکتے۔ مگر دیکھو ہم سے جدا ہوئے تو کس جگہ جدا ہوئے اور ہمارا ساتھ چھوڑا تو کہاں چھوڑا۔ اور سنو ! جو کچھ ہوا ہے منجانب اللہ ہوا ہے اور ہم لوگوں کو اس سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہوا ہے۔ اور ہمکو اس واقعہ سے تنبیہ کی گئی ہے کہ رزق کی طرف سے مرض وصحت کی جانب سے آرام و تکلیف کی طرف سے سارا بھروسہ اور سارا اعتماد تم نے انھیں پر کر لیا تھا۔ اب بتاؤ اس وقت تم سمندر کے لہروں میں ہچکولے کھا رہے ہو اور مدد اور امداد کے ہر قسم کے اسباب وذرائع تم سے منقطع ہو چکے ہیں اور جن پر تم کو تکیہ تھا وہ دیکھو بغیر روح وجان کے مجبور اور تم سے الگ تھلگ وہاں سو رہا ہے۔ اب تم کیا کرو گے اب تم کو کون کھلائیگا پلائیگا۔ تمہاری کون مدد کرے گا اور ساحل تک تم کو کون پہونچائیگا ؟ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہمارا اور سب کا کارساز ہے اور وہی اپنے بندوں کی پرورش کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہی ہمارا حامی و مددگار ہے لہذا ہمکو اور تم سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اسکی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق ورشتہ کو مضبوط کرنا چاہیئے۔

عزیزم ! اکثر حضرت والا فرماتے تھے کہ میں تو حج کر چکا ہوں میرا فرض ادا ہو چکا ہے تم لوگ چلے جاؤ مگر ہم لوگ کہتے تھے کہ نہیں حضرت آپ بھی ساتھ تشریف لے چلیں آپ کو چھوڑ کر ہم لوگ نہیں جا سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا ہم لوگوں کو صرف پہنچانے ہی آئے تھے۔ ۲۴ نومبر تک تو جسم وروح دونوں کے ساتھ ہم لوگوں کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد جسم سے روح تو پرواز کر گئی۔ ھذا فراق بینی بینک کہہ کر ہم سے رخصت ہوئے راستہ پر لگا دیا کہ اب چلے جاؤ چوتھے دن عدن پہنچ جاؤ گے اور اس کے بعد جدہ دو روز کا راستہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ حضرت کے شفقت و محبت والے بے روح مجسمہ نے ۲۴ تاریخ کے بعد سے ساحل جدہ تک پہونچایا۔ الکریم اذا وعد وفیٰ۔ بھائی اس جسم بے روح کی وجہ سے ایسی

تقویت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت والا ساتھ ہی ساتھ چل رہے ہیں اور وہاں موجود ہیں۔
روزآنہ ڈاکٹر جسم کا معائنہ کرنے جاتا تھا اس سلسلہ میں ہملوگوں کو بھی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ بھائی! اگر اسی دن تدفین ہوجاتی تو ہملوگ تو خیر برداشت کرجاتے مگر ممکن تھا کہ حضرت کی دو بچیوں کے ہاتھ سے صبر و استقلال کا دامن چھوٹ جاتا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مصلحت تھی اور وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے بندوں کے حق میں بہتر کرتا ہے۔ عزیزم وہ بھی ایک وقت تھا کہ ہملوگ ایک بحری قفس میں محبوس پھڑ پھڑا رہے تھے نہ تو کوئی سہارا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا تھا۔ جو کچھ کہنا اور سننا ہوتا اللہ تعالےٰ ہی سے کہتے اور انھیں سے فریاد کرتے تھے اور اب بھی اللہ تعالےٰ ہی کا سہارا ہے۔ اور انھیں کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے۔ بھائی! اب ہمارا دنیا میں کون ہے۔ ہمیں درد ہے۔ مگر دردی نہیں کس سے اپنا درد کہیں۔ ہمیں غم ہے افسوس ہمارا غمخوار نہیں اپنا غم کس کو سنائیں۔ کوئی سننے والا نہیں۔ اسے بھائی معلوم نہیں یکایک یہ کیا ہوگیا کہ وہ ہمارا محسن مربی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ اب کہاں ملے گا۔
برادر! ایک مدت سے حضرت والا کے ساتھ رہتے رہتے ان کی شفقت و محبت نے طبیعت کو ایک مذاق کا عادی بنا دیا ہے۔ اب بار بار طبیعت اسی شفقت و محبت کو ڈھونڈھتی ہے۔ آنکھیں وہ شفقت و محبت دیکھنے کو ترستی ہیں اور یہ دونوں کان اس پیار و محبت کے الفاظ مولوی مکین یا قاری صاحب نہیں سن سکے۔ بھائی نہ کسی نے اس محبت و پیار سے بلایا اور نہ کسی نے اس شفقت سے اپنے پاس بٹھایا۔ قدم قدم پر دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور زخم تازہ ہوا کرتا ہے۔ اتنے دنوں تک کبھی حضرت سے جدائی بھی نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی ملاقات کرنے کا تقاضا شدید ہوتا ہے اور بس اس وقت جو گذرتی ہے اسکو کیا لکھوں۔
برادر اپنا جسم مثل گھڑی کے ہے اور دل اس کا گھنٹہ ہے۔ بس رہ رہ کر ایک چوٹ ان کی جدائی کی دل پر لگا کرتی ہے اور دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کہیں بھاگ جائیں۔ اب یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا — جب صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آپ آوینگے — دن بہت انتظار میں گذرے

برادر یا کوئی مجلس میں نہ مانتے نہیں، تو گے تو اٹھوں گا اور جوتے پہنوں گا اور چل دوں گا۔ پھر تم لوگ مجھ کو پاؤ گے نہیں۔ بھائی ویسا ہی ہوا۔ اس طرح اس دنیا سے آنا فانا گئے ہیں کہ گویا جیسے بیٹھے ہوں اور کہیں چلدیئے ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ ہم سب سے اپنے ہوں اور کہیں چلدیئے ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ ہم سب لوگوں سے خوش خوش گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ حضرت کی روح بھی خوش رہے۔ آمین

اب اس کے بعد کیا ہوا اسکو سنو! بمبئی سے ۸ بجے شام کو تار کا جواب آیا کہ آپ لوگ حضرت والاؒ کی لاش کو جدہ تک لیجانیکی کوشش کریں۔ ہم مغل لائن کے منیجر سے کوشش کر رہے ہیں کہ وہ جہاز کے کپتان کو تار دیں کہ وہ جدہ تک لے جائیں اور جدہ سے دوسرے دن قدوائی صاحب کا تار آیا کہ ۲۶ر نومبر ۱۹۶۲ء کو آپ لوگ حضرت والا کے جسد مبارک کو جدہ لائیں، میں سعودی حکومت سے کوشش کر رہا ہوں کہ وہ مدینہ منورہ میں تدفین کی اجازت دیدے۔ دو دن گذرنے کے بعد ۲۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو زکی بھائی نے دوبارہ تار دیا کہ سعودی حکومت نے اجازت دی یا نہیں؟ اس کا جواب دیں۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۶۲ء کو کپتان نے بھی اسی مضمون کا تار قدوائی صاحب سفیر ہند کو دیا۔ لیکن مشیت الہٰی کچھ ایسی تھی کہ ۲۹ر نومبر ۱۹۶۲ء کو دس بجے رات تک کوئی اطلاع جدہ سے نہیں آئی۔ تو اس نے ہم لوگوں کو بلایا اور کہا کہ ابتک کوئی اطلاع نہیں آئی اور بغیر اجازت کے لاش کو گودی کے اندر لیجانا قانوناً جرم ہے۔ وہاں کی حکومت تمام مسافرین کا قرنطینہ کرسکتی ہے اور جہاز کے اوپر جرمانہ کرسکتی ہے۔ اب کیا کریں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر اللہ تعالے نے اس کے دل میں رحم ڈالدیا اور اس نے کہا کہ ایک موقعہ اور ہے وہ یہ کہ صبح ۶ بجے کے قریب جہاز جدہ پہنچ جائیگا اس وقت وہاں کا پائیلٹ آئے گا ممکن ہے کہ اسکی معرفت کوئی اطلاع آئے۔ لہٰذا وہاں تک سے چلتے ہیں لیکن آپ لوگ بالکل تیار رہیں اگر اسکی معرفت کوئی اطلاع نہیں آئی تو ہم جہاز کو واپس سمندر میں گہرائی کی جگہ لائیں گے اور آدھ گھنٹہ کا موقع مل سکتا ہے۔ اس درمیان میں آپ لوگ تجہیز و تکفین کرلیں۔ ہم لوگ اس پر مجبوراً راضی ہوگئے اور شب ہی میں کفن وغیرہ سب تیار کرلیا گیا کہ دیکھئے صبح کیا ہوتا ہے۔ آخر صبح ہوئی اور پائیلٹ صاحب بھی تشریف لائے ان سے دریافت

## اشکہائے غمی

۱۳۸۷ھ

صوفی حق کیش وحق آگاہ آہ — یعنی مولانا وصی اللہ شاہ

خلف ارشد یادگار تھانویؒ — وقف کردہ عمر در حق گستری

سوئے ارض پاک جاری مرکبش — قابل صد رشک گشتہ رحلتش

بر فلک دہر گسترد ابر غم — یک جہاں را قلب محزوں چشم نم

راست گفتہ رحمۃ للعالمینؐ — موتِ عالِم موتِ عالَم ایں چنیں

یک خلا در ملک گشتہ بعدِ او — کیست اکنوں پر کند آں جائے او

ہاتفم از غیب دادہ ایں خبر
جنت الفردوس راہ او مقر

۱۳۸۷ھ

حیف در بزم جہاں دورِ خیار آخر شد — طلعت طالع تسکیں و قرار آخر شد

گفتم ایں مصرع مشہور بتاریخ وفات — روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

۱۹۶۷

# تأثرات

## بر وفات حسرت آیات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از عبد المالک صابر الحسینی برہوجیودی

آج کیوں ہے بزم میں رندوں کی آنکھیں اشکبار
روح کو ہے صدمۂ جانکاہ دل ہے سوگوار
ہر بشر کا ہے یہاں قلب و گریباں تار تار
تیرے جانے سے ہے کیوں محفل کی محفل بیقرار
کارناموں کو تیرے ہرگز بھلا سکتے نہیں
دل سے تیری یاد ہم ہرگز مٹا سکتے نہیں

تیرے دم سے آبروئے ملّتِ بیضا بھی تھی
جرأت رندانہ کی قاتل تری دنیا بھی تھی
تیرے ماتھے پر کلاہِ اشرفی زیبا بھی تھی
تیری رفعت اس جگہ پنہاں بھی تھی پیدا بھی تھی

در حقیقت آج ہم سے دور ہے جانِ جہاں
یاد تیری غیر فانی اور ہے توحرزِ جاں

وائے کتنا جلد بدلا میکدہ کا یہ نظام
وائے حسرت کیوں ہوئے یہ خون سے لبریز جام
آؤ رندو! خون ہے برسا فضا میں صبح و شام
داستانِ زندگانی رہ گئی ہے نا تمام

انجمن میں کیف پرور- وہ نظر باقی نہیں
ساغر و مینا سے کیا مطلب ہے جب ساقی نہیں

آسمانِ علم کا ایک نیّر تاباں بھی تھا
حُسنِ سیرت حُسنِ صورت میں مہِ کنعاں بھی تھا
ہر نظارہ جمال جلوۂ یزداں بھی تھا
آں زبرُ نورِ خدا اور صاحبِ ایماں بھی تھا

حشر تک صابر نہ ہوگا اس سا کوئی پاسباں
گل کرے پیدا کوئی ممکن نہیں ہے گلستاں

---

## قطعہ

سکونِ زندگانی کی دوا لانے کہاں جائیں
جگر کے زخم دل کے داغ دکھلانے کہاں جائیں

ترے گیسوئے الفت سے جنوں کے جنکو نسبت تھی
بتا روحِ وصی اللہ وہ دیوانے کہاں جائیں

# قطراتِ اشک

روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد
۱۹ ۶ ۶۷ء

منجانب قاری عبدالسلام صاحب ہنسور ضلع فیض آباد

(۱)

زیست تیری وقف بہرِ خدمتِ دیں میں
موت تیری حج رب البیت کی شکلِ حسیں
ایک ساری عمر تو بیتاب تھا بے خواب تھا
سو، بزیر سایۂ الطافِ رب العالمیں

(۲)

تجھ سے تھے ساماں الہ آباد میں بہبود کے
کیا رہا اب شہر اکبرؔ میں سوا امرود کے
آفریں امراض روحانی کے اے حاذق طبیب
توڑے رشتے تو نے جوڑے عبد اور معبود کے

(۳)

کیا ہوا مصباح گر پہونچا نہیں مشکوٰۃ تک
مکہ کیا اس کی رسائی تھی خدا کی ذات تک
شیخ کے اس مدفنِ آبی پہ کیوں گریاں ہے تو
یہ حرم ہے، کیا نہیں حدِ حرم میقات تک

(۴)

زندگی بھر تو دواں تھا صورتِ مہرِ منیر
فیض تھا دریا ترا دعوت تری آفاق گیر
کیسے خاک ہند پر جمتے بھلا تیرے قدم
جب حرم کی خاک سے ممزوج تھی تیری خمیر

(۵)

تیرا یہ بارِ امانت قبر سہہ سکتی نہ تھی
وہ زبانِ حال سے کہتی تھی کہہ سکتی نہ تھی
تھی مکینِ عالمِ انوار تیری روح پاک
نعش بھی تیری بقیدِ خاک رہ سکتی نہ تھی

(۶)

تیری دنیا تھی توکل سب سپردِ کردگار
اور تجھ کو موت بھی آئی براہِ کوئے یار
اس فنا فی اللہ کی شانِ فنائیت تو دیکھ
دفن بھی بابِ عرب کے سامنے ہے بے مزار

# سرشکِ غم

منجانب محب مکرم جناب حفیظ الرحمن صاحب آئمن (اعظم گڈھی)

بروفات حسرت آیات مرشدنا و مولانا حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

ذرّہ ذرہ ہے یہاں کا سوگوار      وقفِ رنج و غم ہوئے لیل و نہار
شیخ کی فرقت میں ہم ہیں اشکبار      تیرے پہلو میں ملا جس کو قرار
ہو نہ کچھ تقصیرِ خدمت زینہار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

خواریِ اسلام اسے تڑپا گئی      اس کی بدحالی سے جاں گھبرا گئی
اب سکونِ دائمی سا پا گئی      تیرے پہلو میں اسے نیند آ گئی
حشر تک کرنا ہے تجھ کو انتظار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

زندگی اس کی نہایت پاک تھی      سربسر مثلِ شہِ لولاک تھی
پرخلوص و بے ضرر بے باک تھی      بے نیازِ گردشِ افلاک تھی
جان و دل سے اس پہ ہونا ہے نثار
ہوشیار اے بحرِ قلزم ہوشیار

اس کی فطرت تھی نہایت ہوشمند  حق پرست و حق شناس و حق پسند
تھا یہاں کے سربلندوں میں بلند  شہرت دنیا مگر تھی ناپسند

تیری آغوش اور یہ دُرِّ شاہوار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

اس کی خفگی بھی سبق آموز تھی  خندہ پیشانی کدورت سوز تھی
ہر نصیحت جان و دل افروز تھی  دوستوں کی فکر غم اندوز تھی

کر لیا اب اس نے دوری اختیار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

ایک ہلچل تھی جوان و پیر میں  خاک طیبہ تھی الگ تدبیر میں
یہ امانت تھی تری تقدیر میں  ہونے والا تھا یہی آخیر میں

مرضیٔ مولا میں کس کو اختیار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

تھا وہ اک امیدگاہ شیخ و شاب  ہو گئے کتنے ہی اس سے فیضیاب
اب تو دنیا میں نہیں اس کا جواب  چشم ایمن جسکے غم میں ہے پر آب

ہو نہ کچھ تقصیر خدمت زینہار
ہوشیار اے بحر قلزم ہوشیار

# رثاء الشیخ

منجانب محترم المقام جناب مولانا سراج الحق صاحب مدظلہ

نَعَوْا اِلَیَّ وَصِیَّ اللّٰہِ مُرْشِدَنَا　　قَلْبِیْ هَوٰی وَجَرٰی سَیْلٌ مِّنَ اجْفَانِیْ

لوگوں نے مجھے ہمارے مرشد روحانی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خبر مرگ سنائی تو میرا دل ڈوبنے لگا اور میری آنکھوں سے ایک سیلاب امنڈ پڑا

مَضٰی وَعَلَّمَنَا معنی حَدِیْثِ عُمَرَؓ　　قَوْلًا وَّفِعْلًا بِاِسْرَارٍ وَّاِعْلَانٍ

حضرت تشریف لے گئے اور ہمیں (دہفتہ عشرہ سے) حدیث سیدنا حضرت عمر فاروقؓ انما الاعمال بالنیات کا مطلب سمجھاتے تھے۔ اپنے قول سے تو اس کا مطلب علانیہ اور اپنے فعل سے پوشیدہ طور پر بتایا۔

فهاجر الهند ارض المشرکین مهٗا　　جرًا الی اللّٰه بالصدق والحسانِ

اس طرح کہ انھوں نے صدق نیت اور حسن اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف اس ہندوستان سے ہجرت کر ہی کے دکھادی

اقام ضیفا بقعر البحر مُعتکفا　　مُلبّیًا دعوة الرَّوح وریحانِ

اب حضرت نے (بحکم حدیث الحجاج ضیوف اللہ) مہمان بنکر قعر سمندر میں اعتکاف کے ساتھ قیام کرلیاہے۔ آپ نے (بجائے حج کی لبیک کے) جنت کے روح اور ریحان کی دعوت کو لبیک کہا۔

اقول قولی وقد حار الانام به　　لا تنسنا یوم ینسی الولد ابوانِ

لوگ تو حضرت کی وفات کے معاملہ میں متحیر ہو رہے ہیں اور میں (عالم تصور میں یہ کہے جارہا ہوں کہ) یا حضرت جس دن ماں باپ بھی اپنے اولاد کو بھول جائیں گے اس دن آپ ہمیں نہ بھولئے گا۔

جزاك ربی جزاءً کاملا حسنا　　من عنده طیبًا عنّی واخوانی

میرا رب آپ کو خود میری طرف سے بھی اور میرے اخوان طریق کی طرف سے بھی خاص اپنے پاس سے جزائے کامل احسن اور طیب عطا فرمائے

# تاریخ وفات

منجانب محب مکرم جناب حفیظ الرحمن صاحب امینؔ (اعظمگڈھی)

ہادیٔ عصر رواں رحلت نمود — سوئے ملک جاوداں رحلت نمود

مصلح ما عاصیاں رحلت نمود — رہنمائے گمرہاں رحلت نمود

پیشوائے مُقبلاں رحلت نمود — نکتہ دانِ کن فکاں رحلت نمود

عاملے بر اسوۂ پاک نبی — عالمے روشن بیاں رحلت نمود

میہمان شاہ در راہِ حجاز — نزد شاہ دوجہاں رحلت نمود

کارواں را با خدا بگذاشتہ — وائے میر کارواں رحلت نمود

خوابگہ در بحر سرخ آمد پستد — نافر شہرت چناں رحلت نمود

در سپردہ مایۂ خویش آب را — سوئے مکہ کارواں رحلت نمود

محفل میخانہ چوں ویران شد — دفعتہً پیر مغاں رحلت نمود

حالت خود را بکہ خواہیم گفت — مشفق ما ناگہاں رحلت نمود

باکہ ما گوئیم حال زار خویش — غمگسار عاجزاں رحلت نمود

اے خدا اورا بدہ جائے بلند — شیخ ما سوئے جناں رحلت نمود

یا خدا انجام امیںؔ کن بخیر — صدقۂ شیخ کہ آں رحلت نمود

سال تاریخ وفاتش ہاتفے

گفت "مشہورِ زماں" رحلت نمود

۱۳۸۷ھ

# وائے غم شیخ

۱ ۹ ۴ ۶ ۷

منجانب محمد مسلم صاحب جونپوری

پرتو شمع نبوت اُٹھ گیا ۔ عاشق صہبائے وحدت اٹھ گیا
عارف رمز طریقت اٹھ گیا کاشف سر حقیقت اٹھ گیا
ماحی شرک و ضلالت اُٹھ گیا داعی احیاء سنت اُٹھ گیا
نیک جلوت پاک خلوت اٹھ گیا وہ وقار آدمیت اُٹھ گیا
ہاں بہار باغ عفت اٹھ گیا وہ گل تقویٰ کی نکہت اٹھ گیا
آہ! وہ غواص بحر معرفت وہ فنائے فی الحقیقت اٹھ گیا
قال بھی بڑھ کے جسکا حال تھا آہ! وہ پاکیزہ سیرت اٹھ گیا
سرگروہ اصفیا کہئے جسے پیکر زہد و ریاضت اٹھ گیا
فخر امداد و محمود الحسن روح انور کی مسرت اٹھ گیا
یادگار حضرت اشرف علی مخزن رشد و ہدایت اٹھ گیا
شہ وصی اللہ وہ شیخ زماں فخر دین و فخر ملت اٹھ گیا
مصلح الامت حقیقت میں جو تھا ہائے! وہ غمخوار امت اٹھ گیا
رونق بزم سلف جاتا رہا خانقہ کی روح زینت اٹھ گیا

وہ تصوف کا امین و ترجماں کرکے سب اتمام حجت اُٹھ گیا
تشنگان جام حق جائیں کہاں قاسم جام شریعت اُٹھ گیا
واقف و دانائے اسرار حیات صاحب چشم بصیرت اُٹھ گیا
ہوگیا گل علم و عرفاں کا چراغ موجب کافور ظلمت اُٹھ گیا
راہ حق پر گامزن رہتے ہوئے عازم حج و زیارت اٹھ گیا
ہوکے بحر عشق و الفت میں فنا وہ شہید راہ ملت اٹھ گیا
پھول کیا ڈالیں ہم اسکی قبر پر ؏ صاحب معدوم تربت اٹھ گیا
رحمت باری تھی جسکی منتظر وہ مکین باغ جنت اٹھ گیا
جسکے سینے میں تھا قلب درد مند دے کے پیار و شفقت اٹھ گیا
زندگی بے کیف ہے اسکے بغیر باعث تسکین و راحت اٹھ گیا
ہم تڑپتے ہاتھ ملتے رہ گئے دیکے ہمکو داغ فرقت اٹھ گیا

مسلم مضطر یہ کہہ سال وفات
ہائے! اب پیر طریقت اٹھ گیا
۱۳۸۷ھ

---

؏ یہ اسی خاص شعر کی طرف اشارہ ہے جسکو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس پاک میں گاہے گاہے ایک خاص انداز سے پڑھا کرتے تھے۔

پھول کیا ڈالوگے تربت پر مری خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

# "نظم شام غم"

## خطاب خاص

بخدمت الحاج الحافظ القاری محمد مبین صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ
خویش اکبر و یکے از مجازینِ کرام قطب العالم حضرت الحاج
الحافظ الشاہ مولانا محمد وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ
علیہ بر سانحۂ وفات حسرت آیات انجد و مرشدی و مولائی
علیہ الرحمۃ

از قلم


سراپا غم ناچیز سید محمد عبد الرب صوفی عفی عنہٗ
مقیم حال بنگلہ ایف ۴۴ روڑا بند پوسٹ سندری
ضلع دھنباد (بہار)
ساکن ۲۷ برھواری اُناؤ، یوپی، ۱۱ر جون سنہ ۱۹۶۸ء


---

تم وہاں ہو اور اتنی دور ہم قاری مبین
ہے ہماری چشم نم، اک جام غم قاری مبین

ہیں سفینے پر کھڑے با چشم نم قاری مبین
دیکھتے ہیں ہم کہ ہیں تصویر غم قاری مبین

راہ غربت میں پھٹا یہ کوہِ غم قاری مبین
واہ۔ یہ دم۔ ہم رہے ثابت قدم قاری مبین

امتحاناً تم پہ رکھا بارِ غم قاری مبین
کھائی اور چہرے پہ یہ تیغ دو دم قاری مبین

فرطِ غم سے گرچہ تھے صدیق اکبرؓ درد و غم
پھر بھی وہ یکسر رہے ثابت قدم قاری مبین

جس نے ڈالا تم پہ غم دے دولتِ صبر و رضا
ہم مبارکباد دیتے ہیں کہ یوں بخشا گیا
تم کو قائم کر گئے قطبِ جہاں قائم رہو
تم ہو غم خوردہ مگر حضرت تو ہیں انعام یاب
کوئی مِحوِ استراحت ہے کوئی زار و نزار
یہ ہیں بابانِ خوابیدہ ۔ یہ صاحبزادیاں
آنسوؤں کے ساتھ ان کی بارگاہِ صبر میں
ان کا گریہ گرچہ برحق ۔ اشکِ غم لعل و گہر
پیکرِ صبر و رضا بن جائیں صاحبزادیاں
شرع میں آنسو بہانے کی اجازت ہے مگر
یہ ہے تابوتِ سکینہ اور یہ محشر بپا
قطبِ عالم ہیں تبسم ریز با کیف و سرور
شاہِ خوباں سو رہے ہیں موت کے سایہ تلے
نیند گہری ہے تھکے ماندے بھی ہیں بیمار بھی
رات بھر سولیں پریشاں کیوں ہیں صاحبزادیاں
ہے شبِ برزخ نہایت خواب آور پُر فضا
چہل قدمی کا کریں کچھ نظم جامی سے کہو
آنے والا ہے شہیدِ کوئے جانانِ حجاز
ہم پر کوئی تغیر ہے نہ مرنے کا اثر
درمیانی رات تھی چوبیس اور پچیس کی
نومبر عیسوی انیس سو سٹھ کا سال
دس بجے انتیس کو نزدیک جدہ ہو گیا
بحرِ قلزم امینِ لُولوئے لالا ہوا

اک امانت کا خزانہ ہے یہ غم قادری مبین
تم کو صدیقی خلافت کا قدم قادری مبین
استقامت کی دعا کرتے ہیں ہم قادری مبین
ضابطہ انصاف کا ہے ضبطِ غم قادری مبین
دیدنی ہے منظرِ شادی و غم قادری مبین
یہ سکوتِ تام ۔ یہ کرب و الم قادری مبین
تعزیت یہ کر رہے ہیں بیش و کم قادری مبین
عرض کر دیں صبر ہے اس سے اہم قادری مبین
اس قیامت میں رہیں ثابت قدم قادری مبین
کام ہے درپیش اس سے بھی اہم قادری مبین
یہ جہاز ۔ اور چار سو بحرِ الم قادری مبین
سب ہیں وقفِ گریہ زیرِ بارِ غم قادری مبین
عمر بھر جاگے بہت سوئے ہیں کم قادری مبین
خوب سونے دو جگانا ہے ستم قادری مبین
صبح کو فرمائینگے سیرِ ارم قادری مبین
اور فرحت بخش ہے صبحِ عدم قادری مبین
ساتھ ہوگا جیسے ہو چشمِ کرم قادری مبین
یہ کفن ہے یا ہے احرامِ حرم قادری مبین
گرچہ پانچ ایام گزرے بیش و کم قادری مبین
مصلحِ اُمّت نے جب توڑا ہے دم قادری مبین
کیا خبر تھی ہے ماہ و سالِ غم قادری مبین
جسمِ اطہر ہو جب تشریف یم قادری مبین
ہے یہ صحنِ پُر فضا باغِ ارم قادری مبین

اک شگفتہ پھول چہرہ شاخِ گل جسمِ لطیف
زندگی کی تازگی ہوگی نہ کم قادری مبین

موت سے دو روز قبل انیسویں شعبان کو
بمبئی میں کیا سماں تھا محترم قادری مبین

حضرتِ والا کے گرداگرد جشنِ عیش تھا
خواب میں بھی تو نہ تھا رنج و الم قادری مبین

بمبئی رشکِ چمن تھا اور وہ جانِ بہار
تھے ترانے اور ان کا زیر و بم قادری مبین

آگے آگے کار تھی سلطانِ خوباں کی رواں
پیچھے پیچھے عاشقانِ تیز دم قادری مبین

یہ ہجوم مضطرب پہونچا جو بندر گاہ تک
سب کی آنکھوں سے رواں تھے اشکِ غم قادری مبین

آہ یہ رشکِ جدائی اشکِ ماتم ہو گئے
آہ یہ رنج و الم کیسے ہو کم قادری مبین

چھوڑ کر راہِ عرب حضرتؒ نے پکڑی راہ رب
کیا کریں ہم آہ اب جز رنج و غم قادری مبین

واقعی کیا حضرت والاؒ کی رحلت ہو گئی
سوچکر حیراں و سرگرداں ہیں ہم قادری مبین

دیکھتے ہی دیکھتے دو روز میں کیا ہو گیا
یک بیک وہ چل دیئے سوئے عدم قادری مبین

یاد ہے ان کا یہ کہنا ہم کو پاؤگے نہیں
جو تیاں پہنیں گے اور چل دینگے ہم قادری مبین

اس طرح رہ رہ کے یاد آتی ہیں انکی شفقتیں
دل ہے پُرخوں، آنکھ جیحوں شق قلم قادری مبین

شاید آجائیں کسی جانب سے وہ ہنستے ہوئے
خواب میں ہو جائے شاید یہ کرم قادری مبین

ہو گیا خورشید خاور بحرِ قلزم میں غروب
چھا گئی آفاق پر اک شامِ غم قادری مبین

بجھ گیا اک نورِ تاباں ہو گیا عالم سیاہ
نیرِ اعظم تھا انکا ایک دم قادری مبین

کھو گئے وہ اور ان کا نور بھی گم ہو گیا
انکا اٹھ جانا ہے غم بالائے غم قادری مبین

نور سے اپنے وہ روشن کر گئے ہیں جو چراغ
ہیں وہی قائمقام اب محترم قادری مبین

قطبِ عالم نے جو چھوڑا ہے گروہِ مصلحین
ہیں مجازین مکرم محترم قادری مبین

سعی پیہم سے کریں اہتمام اب اس نور کا
حال مہجورین پر ہو یہ کرم قادری مبین

نورِ باطن تمکو بخشا ہے خدائے پاک نے
دو ترقی تم بھی اسکو دم بدم قادری مبین

تم یقیناً اس ودیعت کے امانت دار ہو
ہیں تمہارے غاشیہ بردار ہم قادری مبین

قطبِ عالم کا یہ گلشن پھولتا پھلتا رہے
ہے یہ صوفی کی دعا باچشمِ نم قادری مبین

---

حلہ چادر

# قطعۂ تاریخ وفات

حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا حاجی شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

زہے، حاجی وصی اللہ، مرحوم
رہِ حق تا دمِ آخر نمودی

بہ صد انوارِ توحید و رسالت
الٰہ آباد را رونق فزودی

چہ زنگ آلودہ، دودِ اسود دلہا
بہ حکمت ہمچو آئینہ زدودی

دریں طوفانِ کفر و شرک و بدعت
مقامِ استقامت، مثلِ جودی

پئے اصلاحِ فرزندانِ تہذیب،
بسازِ عارفاں، نغمہ سرودی

"ھُوَ اللہُ اَحَدٌ ــــ اللہُ اکبر!"
خلافِ ایں، نہ گفتی، نے شنودی

خس و خاشاک، معبودانِ باطل،
جبیں بر آستانِ خس، نہ سودی

ترا بخشید حق، چشمِ بصیرت،
نقابِ مکرِ شیطاں، برکشودی

بہ عشقِ اسوۂ پاکِ محمد ﷺ
ز اقراں، گوئے سبقت در ربودی

مثالِ مردِ غازی، وقتِ پیری
چہ زورِ بازوئے خود آزمودی

میانِ راہِ کعبہ جاں سپردی
شہیدِ حسرتِ دیدار بودی

زہے اے چشم بر راہِ پیامی
ز خاکِ ہند تا آبِ سعودی

تبسم بر لب و لبیک گویاں
بحق پیوستی، با شانِ درودی

ندا آمد، عالمِ اسرار برخاست
"بیا در رحمتِ ما، یا عبودی"

مزین بہرِ تو گلزارِ جنت
مہیا بہرِ تو عیشِ خلودی

بہ باغِ عدن، روحِ پاک فرحاں
بہ خاکِ عدن، نقشِ بے وجودی

بیا، عاصی، بگو، تاریخِ رحلت
چوں لختے از صفاتِ او، ستودی

"ز خاصانِ خدائے پاک"، بشمر
کہ دریابی سنِ ہجری بہ زودی

۸۷ ع ۱۳

# واشیخاہ

از

مُحِبّی و مُحترمی جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی زید مجدہ

استاذ شعبۂ عربی و فارسی جامعۂ الٰہ آباد

أَلَا يَا عَيْنُ فَانْسَكِبِي — لِشَيْخٍ كَانَ ...

خبردار ہوجا اے آنکھ اور بہ چل — [illegible]

وَلَا تَنْفَتِرِي ثُمَّ اشْن — حَنِي بِالْحُزْنِ أَجْنَا...

اور اس میں کمی نہ ہونے دے پھر دلوں کو — رنج و الم سے بھر دے

وَصِيُّ اللّٰهِ ذُو الْكَرَمِ — لَفَارَقَنَا فَنَا شَجَانَا

صاحب کرم مولانا وصی اللہ نے ہم — سے مفارقت اختیار کیا اور ہم کو غمزدہ بنا...

فَلَمَّا صَارَ مُنْطَلِقًا — لِحَجِّ الْبَيْتِ فَرْحَا...

جب آپ خوش خوش — حج بیت اللہ کے لئے چل پڑے تھے

رَجَوْنَا اللّٰهَ يُرْجِعُهُ — إِلَى هِنْدٍ لِلُقْيَا...

تو ہم نے امید کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی — ملاقات کے لئے ہندوستان واپس لائے گا

فَآثَرَهُ وَقَرَّبَهُ — لِرَفْعِ الْقَدْرِ قُرْبَا...

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لئے منتخب کرلیا — اور ان کے مراتب بلند کرنے کے لئے اپنا مقرب بنا...

وَأَبْلَغَهُ إِلَى الْفِرْدَوْ — سِ إِكْرَامًا وَإِحْسَا...

اور اکرام و احسان کرتے ہوئے — ان کو جنت الفردوس پہونچادیا

وَكَانَ مِنَ الْهُدَاةِ لَنَا     فَأَرْشَدَنَا وَزَكَّانَا

اور وہ ہمارے ایک ہادی تھے تو ہماری رہنمائی کی اور ہمارے نفس کی صفائی کی

وَبَشَّرَنَا وَأَوْعَدَنَا     فَأَضْحَكَنَا وَأَبْكَانَا

اور ہم کو جنت کی خوشخبری سنائی اور دوزخ سے ڈرایا اس طرح ہمکو بشارت سے ہنسایا اور وعید سے رُلایا

وَقَانَا عَنْ مَعَاصِيْنَا     وَزَيَّنَنَا بِمَا زَانَا

ہم کو ہمارے گناہوں سے بچایا اور ان صفات سے مزین کیا جو زینت بخشتے ہیں

تَطَارَ إِلَيْهِ طُلَّابٌ     زَرَافَاتٍ وَوُحْدَانَا

طالبین حق آپ کے پاس تنہا اور جماعت بن کر اڑ کر آئے

فَزَكَّاهُمْ وَحَرَّضَهُمْ     عَلَى الْخَيْرَاتِ عَجْلَانَا

آپ نے ان کا تزکیہ نفس کیا اور جلد ان کو نیکیوں کی طرف برانگیختہ کیا

أَلَا يَا صَاحِ أَنَّ الْمَوْ     تَ خَادَعَنَا وَعَادَانَا

خبردار ہوجا اے دوست بیشک موت نے ہم کو دھوکا دیا اور ہم سے عداوت کیا

فَأَفْنَى عَالِمًا وَرِعًا     فَخَيَّبَنَا وَأَرْدَانَا

اور ایک متقی اور پرہیزگار عالم کو فنا کر دیا اور ان کی برکت رشد و ہدایت سے ہمکو محروم کردیا اور ہمکو موت کے گھاٹ پہنچا دیا

وَأَنْتَ خَطَفْتَ يَا مَوْتُ الظَّ     ظَلُوْمُ الْآنَ أَهْدَانَا

اے ظالم موت تو نے ہم سے ہمارے بہترین ہادی اور رہبر کو اس وقت ہم سے جبراً و قہراً چھین لیا

لَقَدْ هَدَّمْتَ هٰذَا الْحِصْ     نَ مَظْلِمَةً وَعُدْوَانَا

بے شک تو نے اس قلعہ کو ظلم و ستم سے ڈھا دیا

جَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَهُ     وَيَرْضَى عَنْهُ رِضْوَانَا

اللہ ان کو بہترین بدلہ دے اور ان سے راضی ہو جائے

فَأَحْمَدُ ظَلَّ يَسْأَلُهُ     لَهُ كَرَمًا وَغُفْرَانَا

اور احمد اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ان کے لئے کرم و مغفرت کا سوال کرتا رہتا ہے